لوگ بھی بھڑ رہے ہوئے تھے جن کے پاس اونٹ تھے ۔ پھر یوں ہوا کہ غطفانیوں کے دو اونٹ لاپتہ ہو گئے ۔ اور انہوں نے غفاریوں پر اونٹ چوری کرنے کا الزام لگا دیا ۔ اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو معاملہ پیش کر دیا جناب اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص غفاریوں میں سے روک لیا اور دوسرے کو جانے دیا کہ تم جاؤ دیکھو اور انتظار کرو ۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا ۔ کہ وہ اونٹ مل گئے ۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس محبوس شخص سے کہا کہ میں نے تم کو محبوس کیا تھا ۔ پس میرے لیے استغفار کرو ۔ اس پر شخص بولا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے ۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کرے اور تم کو شہادت نصیب کرے ۔ پس وہ شخص جنگ یمامہ میں شہید ہوا ۔

اس کے بعد ابن حزم لکھتے ہیں کہ لوگوں نے عبد الرزاق کے طریق پر یہ بھی روایت کیا ہے حضرت عمر بن عبد العزیز نے یہ حکم نامہ لکھا جسکو ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے خود پڑھا کہ اگر کسی متہم شخص کے پاس سے چوری کا مال موجود پایا جائے تو اسکو جیل خانہ میں رسی سے باندھ کر رکھا جائے اور اسے چھوڑا نہ جائے جب تک کہ اللہ کا حکم اس کے سلسلے میں نافذ نہ کر دیا جائے یعنی جب تک مقدمہ کا فیصلہ نہ ہو جائے ۔ اس کے راوی ابن جریج خود کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے اس بات کا ذکر کیا تو انہوں نے اس کا انکار کیا ۔

دوسرے فقہاء نے تہمت پر کسی کو قید کرنے کا انکار کیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ عبد الرزاق ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن ابی ملیکہ کو کہتے ہوئے سنا کہ عبد اللہ بن ابی عامر کہتے ہیں ایک قافلہ کے ساتھ روانہ ہوا حتیٰ کہ جب ہم المروہ نامی مقام پر پہنچے تو میرا تھیلا چوری ہو گیا اور ہمارے ساتھ ایک متہم شخص تھا ۔ پس میرے ساتھیوں نے اس سے کہا اس شخص کا تھیلہ واپس کر دو ۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے تھیلا نہیں لیا ہے ۔ پھر جب میں عمرؓ کے پاس آیا تو اس واقعہ کی اطلاع کی ۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کون کون لوگ تھے ۔ میں نے سب کو گن کر بتایا تو انہوں نے کہا کہ میرا گمان بھی یہی ہے کہ اس متہم شخص ہی کا یہ کام ہے ۔ اس پر میں بولا کہ یا امیر المؤمنین میں ارادہ کرتا تھا کہ میں اسے رسی سے باندھ کر آپ کے پاس لاؤں ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تم اسے بغیر ثبوت میرے پاس باندھ کر لے آتے اور وہ بہت ناراض ہوئے اور انہوں نے میرے لیے کوئی حکم نہ لکھا اور اس بات پر تفتیش نہ کی ۔ گویا حضرت

عمرؓ اس بات کا انکار کرتے تھے کہ بغیر کسی ثبوت کے کسی کو ہتھکڑی لگائی جائے یا قید کیا جائے۔

پھر ابن حزم لکھتے ہیں کہ جب ہم قول اول کی روایات کو دیکھتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مذکورہ احادیث ہیں ان کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں کیونکہ راوی ابراہیم بن خثیم ضعیف ہے اور بہز بن حکیم قوی نہیں ہے اور حدیث عراک مرسل ہے۔ اور اگر ہم اس مرسل کو صحیح بھی سمجھ لیں تو اس میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ اس میں حبس کے خلاف دلیل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حبس سے استغفار کیا۔ بلکہ اس سے کہا کہ میرے لیے استغفار کرو۔

اگر یہ لوگ غامدیہ خاتون سے حجت پکڑنا چاہتے ہیں تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس خاتون نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا تھا کہ مجھے پاک کر دیجئے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ہو گیا تم کو۔ جاؤ اللہ سے توبہ استغفار کرو۔ وہ بولی کہ آپ مجھے بھی ویسے ہی واپس کرنا چاہتے ہیں جیسے کہ اپنے ماعز بن مالک کو واپس کیا تھا۔ اور مزید کہا کہ میں تو زنا سے حاملہ ہوں۔ پھر آپ نے پوچھا کہ تم شادی کر چکی یعنی ثیب ہو۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں! اس پر آپ نے فرمایا کہ اس وقت تک ہم تم کو رجم نہیں کر سکتے جب تک وہ جو تمہارے پیٹ میں ہے پیدا نہ ہو جائے۔ پس ایک انصاری نے اس کی کفالت کی جب تک اس کے بچہ پیدا نہیں ہو گیا۔ پھر وہ انصاری اس غامدیہ کو لے کر جناب اقدسؐ کے پاس آیا اور بولا کہ غامدیہ کے بچہ پیدا ہو گیا ہے۔ آپؐ نے جواب دیا کہ ہم اس کو رجم نہیں کر سکتے اور اس کے چھوٹے بچے کو بغیر نگہداشت کے نہیں چھوڑ سکتے۔ جبکہ اسے کوئی دودھ پلانے والی بھی نہیں ہے۔ اس پر ایک انصاری بولا کہ اسے دودھ پلانے و پرورش کی ذمہ داری میری ہے۔ اس کے بعد آپ نے اسے رجم کیا۔

ابن حزم کہتے ہیں کہ اس واقعہ میں بھی ان کے لیے کوئی حجت نہیں ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اسے قید کیا اور نہ ہی اس کا حکم دیا لیکن انصاری نے فقط اس کا خرچہ برداشت کیا اور اس رہائش وغیرہ کا بندوبست کیا۔

پھر ابن حزم فرماتے ہیں کہ جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے کہ جس میں کہا گیا ہے کہ فحاشی کرنے والی عورت کو گھروں میں محبوس رکھو جب تک کہ ان کو موت نہ آجائے یا اللہ ان کے

لیے کوئی سبیل نہ نکال دے تو یہ حکم منسوخ ہے اور اس پر اجماع امت ہے۔

پھر ابن حزم کہتے ہیں کہ جب کہ ان لوگوں کی کوئی حجت باقی نہیں رہی جو تہمت پر قید کی اجازت دیتے ہیں تو اب ہم دوسرے قول کی صحت اور برہان پر غور کرتے ہیں۔

پس ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ جس کی قید کی بات کی جاتی ہے تو وہ دو چیزوں میں سے ایک سے خالی نہیں۔ اول یہ کہ متہم پر پہلے کوئی جرم ثابت نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اس پر پہلے کوئی شر والی بات ثابت ہو چکی ہو۔ پس اگر پہلے اس پر قتل یا زنا یا سرقہ کا الزام لگ چکا ہو مگر ثابت نہ ہوا ہو یا ایسی ہی کوئی بات ہو تو اس کی گرفتاری اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بنا پر جائز نہیں ہے کہ ظن و گمان حقیقت کی جگہ نہیں لے سکتا دوسرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ گمان و ظن سے بچتے رہو کیونکہ ظن سب سے جھوٹی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ایسے لوگ تھے جن پر کفر کا گمان کیا جاتا تھا اور یہ لوگ منافق تھے لیکن ان میں سے کسی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قید نہیں کیا۔ توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے!

مزید ابن حزم یوں فرماتے ہیں:

مسالة - الامتحان فی الحدود وغیرها بالضرب أو السجن او التهديد قال علی رحمه الله: لايحل الامتحان فی شیء من الأشيا بضرب ولا بسجن ولا بتهديد لأنه لم يوجب ذلك قرآن - ولا سنة ثابتة، ولا اجماع ولا يحل أخذ شیء من الدين الا من هذه الثلاثة النصوص (۱) بل قد منع الله تعالیٰ من ذلك على لسان رسوله صلی اللہ علیہ وسلم بقول: "ان دماءكم واموالكم واعراضكم وأبشاركم عليكم حرام" فحرم الله تعالیٰ البشر - والعرض فلا يحل ضرب مسلم ولا سبه الا بحق اوجبه القرآن اوالسنة الثابتة وقال تعالیٰ: (فامشوا فی مناكبها وكلوا من رزقه) فلا يحل لأحد ان يمنع مسلما من المشى فی الأرض بالسجن بغير حق أوجبه قرآن او سنة ثابتة، واما

من صح قبله حق ولواه ومنعه فهو ظالم قد تيقن ظلمه فواجب ضربه ابدا حتى يخرج مما عليه لقول رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من رأى منكم منكرا فليغيره بيده ان استطاع، ولأمره عليه السلام بجلد عشرة فأقل فيما دون الحد على ما نذكره فى باب التعزير ان شاء الله تعالى۔

(المحلى: ۱۱: ۱۴۱)

مسئلہ ۲۱۷۳" یعنی حدود وغیرہ کے جرائم میں ملزم کی آزمائش وتفتیش ڈانٹ ڈپٹ، مارپیٹ یا قید کے ذریعے۔ اس سلسلے میں ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مار پیٹ۔ قید۔ ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعے سے آزمائش قرآن یا سنت کی رو سے نہ جائز ہے اور نہ ہی قرآن یا سنت نے اسے ضروری قرار دیا ہے۔ نہ ہی اجماع نے اسے حلال قرار دیا ہے۔ قرض کی وصولی کے سلسلہ میں بھی سوائے تین نصوص کے کچھ جائز نہیں۔ بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں منع فرمادی ہیں۔ جناب اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے خون تمہارے اموال تمہاری عزتیں اور جلد ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ جلد اور عزت کو بھی حرام قرار دے دیا۔ یعنی عزت پر حملہ کرنا اور جلد پر مارنا حرام ٹھہرا مگر اس حق کے مطابق جو قرآن یا سنت ثابتہ کے ذریعے سے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ۔ تم زمین کی چھاتی پر چلو پھرو۔ اور اس کا رزق کھاؤ۔ پس کسی کے لیے جائز نہیں کہ مسلمان کو زمین پر چلنے پھرنے سے منع کرے اور بغیر حق کے جو قرآن سے ثابت ہو یا سنت ثابتہ سے واضح ہو جیل میں ڈالے۔ اور جو اس سے قبل حق ثابت ہو جائے اور اس کا روکنا اور منع کرنا ضروری ہو جائے تو ایسا شخص ظالم ہے جس کے ظلم کا یقین ہو گیا ہو تو اس کا مارنا ابد تک کے لیے ثابت ہے جب تک کہ وہ اس برائی سے نہ نکل جائے اور حق ادا نہ کر دے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے استطاعت ہو تو ہاتھ سے اسے دور کر دے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسے دس کوڑے مارے یا حد سے کم مارے جس کی تفصیل ہم انشاء اللہ تعالیٰ باب التعزیر میں بیان کر دیں گے ۔

ایک دوسرے مقام پر ابن حزم لکھتے ہیں :

وأما البعثة فی المتهم وایهامه دون تهدید مایوجب علیه الاقرار فحسن واجب کبعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلف الیهودی الذی ادعت الجاریة التی رض رأسها فسیق الیه فلم یزل به علیه السلام حتی اعترف فأقاد منه وکما فعل علی بن أبی طالب إذ فرق بین المدعی علیهم القتل وأسر الی أحدهم ثم رفع صوته بالتکبیر فوهم الآخر أنه قد أقر ثم دعی بالآخر فسأله فأقر حتی اقروا کلهم فهذا احسن لأنه لا اکراه فیه ولا ضرب ، وقد کره هذا مالک ولا وجه لکراهیته لأنه لیس فیه عمل محظور وهو فعل صاحب لا یعرف له من الصحابة مخالف ینکر ذلک وإنما الکره ما حدثنا .... عن عبد اللہ بن مسعود أنه قال : ما من کلام یدرا عنی سوطا أو سوطین عند سلطان إلا تکلمت به ۔ وعن شریح أنه قال : السجن کره والوعید کره والقید کره والضرب کره ۔ قال ابو محمد رحمه اللہ : کل ما کان ضرراً فی جسم أو توعدیه المرء فی ابنه او أبیه او أهله او أخیه المسلم فهو کره لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : "المسلم أخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه" ۔ ولما روینا من طریق البخاری عن یحیی ۔ هو ابن سعید القطان ۔ عن شعبة عن قتادة عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : " لا یؤمن احدکم حتی یحب لأخیه ما یحب لنفسه " ۔

(المحلی : ۱۱ : ۱۴۲ - ۱۴۳)

یعنی جہاں تک متہم کو بلا کر تحقیق کرنے کا تعلق ہے بغیر کسی ڈانٹ ڈپٹ یا سختی کے تاکہ تحقیق و تفتیش سے اگر مجرم ہے تو اقرار کرے۔ تو یہ چیز صحیح اور واجب ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جب اس لڑکی نے یہودی کے متعلق عندیہ دیا جس کا سر کچل دیا گیا تھا تو آپ نے اس یہودی کو بلایا اور اس کے پیچھے لگے رہے حتیٰ کہ اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ اور قصاص میں اسے مار ڈالا گیا۔ یا جس طرح حضرت علیؓ نے کیا کہ جن لوگوں پہ قتل کا دعویٰ تھا تو ان لوگوں کو الگ الگ گواہی کے لیے بلایا گیا تو اس سے سوال جواب کے بعد الگ بٹھا لیا گیا اور سب حاضرین نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ دوسرے ملزموں نے جو باہر بیٹھے تھے اس نعرہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ملزم نے قتل کا اقرار کر لیا ہے۔ پھر دوسرے کو بلایا گیا۔ اس نے قتل کا اقرار کر لیا۔ پھر نعرۂ تکبیر بلند کیا گیا۔ باہر تیسرے نے نعرہ سن کر یقین کر لیا کہ باقی نے جرم کا اقرار کر لیا ہے۔ پس یوں تمام قاتلوں نے جرم کا اقرار کر لیا۔ یہ طریقہ احسن ہے کیونکہ نہ اس میں جبر ہے اور نہ مار پیٹ۔ امام مالکؒ نے اس طریقہ کو مکروہ کہا ہے۔ مگر اس میں مکروہ کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ اس میں کوئی ممنوع فعل نہیں کیا گیا اور اس عمل پہ کسی صحابی نے انکار نہیں کیا۔ البتہ جو مکروہ بات ہے وہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول میں بیان کر دی گئی ہے انہوں نے فرمایا کہ اگر کسی بات کو کہ کہ حاکم کے ایک کوڑے یا دو کوڑوں سے میں بچ سکوں تو میں وہ کہ دوں گا یعنی مار پیٹ سے سب بات منوائی جا سکتی ہے۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس میں بدن۔ یا مال کا ضرر ہو یا بیٹے یا باپ یا بیوی یا مسلمان بھائی کے متعلق خوف دلایا جائے تو یہ بات ناجائز ہوگی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی رو سے۔ جس میں آپ نے فرمایا ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے وہ اس پہ ظلم نہیں کرتا۔ دوسری بخاری نے روایت کی ہے کہ جب تک تم میں سے کسی کا ایمان صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔ ملتا

اس سلسلے میں ہمیں ایک ایسا واقعہ ملتا ہے۔ جو مذکورہ بالا رائے کے کچھ خلاف محسوس ہوتا

ہے۔ لیکن وہ حالت جنگ میں دشمن سے متعلق ہے۔ یعنی جنگ خیبر کے موقع پر جب ایک یہودی سے خزانہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ وہ تو سب خرچ ہوگیا اسکے جواب میں کہا گیا کہ اتنا زیادہ خزانہ اتنی جلد خرچ نہیں ہوسکتا۔ پھر اس پر سختی کی گئی تو اس نے خزانہ کا پتہ بتا دیا۔ یہ واقعہ سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے۔ مگر یہ زمانہ جنگ اور دشمن سے متعلق ہے۔ پھر بھی اس کا قرائن واضح سے ثبوت موجود تھا کہ وہ صاف جھوٹ بول رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ معمولی سختی سے اس نے سچ اگل دیا۔

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل فیصلہ قول فیصل ہے۔

الدکتور محمد رواسس قلعہ جی لکھتے ہیں :

حضرت علیؓ خلیفہ کو بھی ایک عام انسان کا درجہ دیتے تھے۔ اگر خلیفہ کی کسی بات سے کسی عام آدمی کو تکلیف پہنچے گی تو خلیفہ کو بھی اس کا اسی طرح خمیازہ بھگتنا پڑے گا جس طرح عام آدمی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ خلیفہ کو بھی اپنے سرکاری وظیفہ کے دوران غلطی کا خمیازہ بھی عام آدمی ہی کی طرح بھگتنا پڑتا ہے۔ یہی اسلام کے نظام عدل کا تقاضا ہے۔

مذکورہ بالا اصول اس واقعہ سے ثابت ہوجاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے علم میں یہ بات آئی کہ ایک عورت جس کا خاوند کہیں باہر ہے اور موجود نہیں ہے اس کے گھر لوگ آتے جاتے ہیں پس یہ بات حضرت عمرؓ کو غلط معلوم ہوئی۔ پس انہوں نے اس عورت کو بلا بھیجا تاکہ تفتیش کی جاسکے۔ اس کو پیغام پہنچا کہ حضرت عمرؓ تم کو بلاتے ہیں تو وہ بولی عجیب بات ہے حضرت عمرؓ کا اس سے کیا تعلق۔ پس جبکہ وہ راستہ میں چل رہی تھی تو اس پر خوف طاری ہوا۔ پھر اسے دردزہ شروع ہوگیا۔ وہ قریب کے گھر میں داخل ہوگئی۔ وہاں اسقاط حمل ہوگیا۔ بچہ نے دو چیخیں ماریں اور مرگیا۔ پس حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے اس سلسلے میں مشورہ کیا۔ بعض صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ آپ والی ہیں اور تادیب کرنا اور لوگوں کو ادب سکھانا آپ کا فرض ہے۔ آپ پر کچھ واجب نہیں آتا۔ حضرت علیؓ خاموش تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی طرف رخ کرکے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر ان لوگوں نے اپنی رائے ظاہر کی ہے تو ان کی رائے غلط ہے۔ اور اگر آپکے پاس خاطر سے بات کی ہے تو انہوں نے آپ کا بھلا نہیں چاہا۔ میری رائے میں مولود کی دیت آپ پر

واجب ہے کیونکہ آپ ہی نے اس عورت کو خوف زدہ کیا اور آپ کے حکم کی پیروی کے دوران ہی اس کا حمل ساقط ہوا۔ پس حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو کہا کہ دیت قریش کے قبیلے سے وصول کی جائے کیونکہ یہ قتل خطار کا معاملہ ہے۔ (موسوعۃ فقہ علی بن ابی طالب: ۱۸۱ بحوالہ عبد الرزاق ۹: ۴۵۸ وسنن بیہقی: ۶: ۱۲۳ و المحلی: ۱۱: ۲۴ ر المغنی: ۷: ۷۸۱، ۸۳۳)

یہ وہ فیصلہ ہے جو نہ صرف دو خلفائے راشدین کا متفقہ فیصلہ ہے بلکہ جو صحابہ کرامؓ موجود تھے وہ گویا اس پر راضی ہو گئے۔ اور اس پر عمل بھی ہو گیا۔ تمام اسلامی تاریخ میں اس فیصلہ سے کسی نے اختلاف نہیں کیا سوائے ابن حزم کے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کیونکہ صحابہ نے مختلف رائے دی تھی اس لیے ہم کو قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جبکہ اختلاف رائے ہو جیسا کہ قرآن کی آیت کریمہ میں موجود ہے کہ اگر تمہارا کسی معاملہ میں اختلاف رائے ہو تو اسے قرآن وسنت کی طرف لوٹا دو۔ پھر قرآن میں ہے کہ تم لوگوں میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے جو نیکی کی طرف دعوت دے۔ اچھی باتوں کا حکم کرے اور بری باتوں سے روکے۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بھی برائی دیکھے تو ہاتھ سے روک دے اگر استطاعت ہو۔ لیکن اگر وہ برائی کو روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ تو زبان سے اس برائی کو روکنے کی کوشش کرے۔ پس ثابت ہو گیا کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ برائی کو روکنے کی کوشش کرے اور نیکی کا حکم کرے۔ پس یہ بات محال ہے کہ خدا تعالیٰ حکمرانوں۔ اماموں اور عوام پر ایک بات فرض کرے اور کہے کہ اگر ایسا نہ کرو گے تو گنہگار ہو گے پھر خود ہی اس حکم کی بجا آوری کے دوران ان سے اس حکم کی بجا آوری کا مواخذہ بھی طلب کرے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس عورت کو بلانے کی وجہ ایک حق بات تھی۔ اور بلا شبہ بچہ کی موت پر بیشک ان پر دیت واجب ہوتی اگر اس عورت کو مارا جاتا یا اس کو دھکا دیا جاتا۔ جب اس عورت کو ہاتھ تک نہیں لگایا گیا تو مواخذہ کیسا؟ یہ تو ایسی ہی بات کہ کوئی شخص اپنے دشمن کی طرف پتھر پھینکے۔ اور کوئی دوسرا ڈر کر ہی مر جائے۔ یا کوئی شخص دیوار بنا رہا ہو۔ اس دوران وہ دیوار گر جائے اور کوئی شخص اس دیوار کو گرتا دیکھ کر خوف سے مر جائے۔ تو بھلا ایسی صورت میں کیسے مواخذہ کیا جا سکتا ہے۔ (المحلی: ۱۱: ۲۴ ر ۲۵)

ابن حزم کا استدلال بھی قابل غور ہے۔ لیکن پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ

کے فیصلہ کو جاری کر دیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑے لوگوں پر عام آدمیوں کی نسبت زیادہ سختی کی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں واضح طور پر ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اگر تم سے کوئی قصور ہوگا تو آپ کو سزا دوگنی دی جائے گی ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن ہی میں غلاموں کی سزا آزاد لوگوں سے نصف مقرر کی گئی ہے۔

بڑوں کو جرائم پر عام لوگوں سے زیادہ سزا دینے کا مسئلہ

ابوزہرہ نے اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ غلام کی سزا میں تخفیف سے یہ اصول قرآن سے ثابت ہے۔

وهكذا يتبين أن العبد يخفف عنه مرتين اولاهما بتنصيف العقاب والثانية بأن تكون الة الضرب أخف من الألة التي يضرب بها الحر.

یعنی غلام کی سزا میں دو طرح سے کمی ہو گی۔ اول یہ کہ اس کی سزا نصف ہو گی دوسرے یہ کہ جس چھڑی سے مارا جائے وہ بھی ایسی ہو گی جو آزاد کی نسبت کم تکلیف دینے والی ہو ..... قاعدہ یہ ہے کہ مجرم کے بڑے ہونے سے جرم بڑھ جاتا ہے اور مجرم کے کمتر ہونے کی وجہ سے کم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ حقیقی عدل ہے جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ؐ کی سنت سے واضح ہوتا ہے۔

(ابوزہرہ: فلسفۃ العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی: القسم الثانی: ۱۶۶، ۱۶۷ مطبوعہ ۱۹۶۶ء)

دوسری وجہ حضرت علیؓ کے فیصلے کی مقبولیت کی یہ ہے کہ جناب اقدس ؐ کی حدیث ہے کہ سید القوم خادمھم یعنی قوم کا سردار عوام کا خادم ہوتا ہے۔ پس خادم کو یہ حق نہیں ہے کہ آقا کو ہراساں کرے۔ خود حضرت عمرؓ کا قول جو ابن جوزی نے حضرت عمرؓ کی سیرت میں نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ قوم کا امیر عوام کے غلام کی مانند ہوتا ہے اور اس پر وہی فرض ہے جو ایک غلام پر آقا کے سلسلے میں فرض ہوتا ہے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ خواتین کو بلانے

کی بجائے ان کے گھر جا کر تفتیش کرنے لگے تھے۔

پس مذکورہ بالا تمام نکات و دیگر نکات جو یہاں بیان نہیں ہوئے ان سب کے مدنظر حضرت علیؓ کا فیصلہ نافذ ہوگیا۔ یوں یہ بات ثابت ہوگئی کہ کسی عادل خلیفہ کو بھی حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کو بغیر اس کے جرم کے ثبوت کے پریشانی میں مبتلا کرے۔ ھذا ھوالحق عندنا واللہ اعلم۔ یہ ہے اسلام کا عادلانہ نظام جس کو چھوڑ کر مغرب کے ذہنی غلام مغرب کے "قانون کو اعلیٰ سمجھتے ہوئے اپنا کر خوار ہو رہے ہیں۔ ہمارا یہ وسیجرل بہت ناقص ہے جس کی وجہ سے مجرم بچ نکلتے ہیں۔

حکم کی متمیز صورت (Distinctive feature of an Imperative)

از خضر یٰسین

حکم کا تصور عام کلام جس میں متکلم کا مقصود مخاطب کو کچھ سمجھانا یا کچھ بتانا ہوتا ہے، کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ حکم نہ تو خبر ہے اور نہ ہی تعلیم و تعلم کے قبیل کی کوئی چیز ہے۔ حکم میں صاحب حکم کی جانب سے مخاطب حکم سے کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کی طلب ہوتی ہے جس کا تقاضا "کرو" یا "نہ کرو" کی صورت میں متشکل ہوتا ہے۔ جہاں طلب کرو یا نہ کرو کے تقاضے کی صورت اختیار نہ کرسکے وہاں حکم متصور نہیں ہوسکتا ہے۔ حکم کی متمیز صورت میں یا حکم اپنی متمیز صورت کے تصور تین مضمرات رکھتا ہے۔ یعنی حکم کی وہی Apriori شرائط تین ہیں۔

۱۔ صاحب حکم جس کا امتیازی کردار طلب کو متعین کرنا ہے یعنی متعینہ مقصد کو اپنی طلب کے طور پر مخاطب حکم سے اس کی تکمیل کا تقاضا کرنا ہے۔

۲۔ مخاطب حکم جس کا امتیازی کردار صاحب حکم کی طلب کی تکمیل ہے یعنی صاحب حکم کی جانب سے جس متعینہ مقصد کے حصول کی طلب کا تقاضا کیا جارہا ہے اس مقصد کو صاحب حکم کی طلب کے طور پر حاصل کرنے کی جدوجہد کرنا ہے۔ بالفاظ دیگر مخاطب حکم کا عمل صاحب حکم کی طلب کی تکمیل کی نیت سے صادر ہو، ایسا عمل جس میں مخاطب کی نیت صاحب حکم کی طلب کی تکمیل کی بجائے اپنی طلب ہو، حکم کی پیروی نہیں ہوسکتا ہے۔ لہذا مخاطب حکم کا امتیازی کردار حکم کی متیمز صورت میں حکم کی پرخلوص اتباع کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

۳۔ حکم کی طلب جس سے صاحب حکم اور مخاطب حکم یکساں متعارف ہوں۔ ایسی طلب جو ہر دو شخصیات پر یکساں منکشف نہ ہو حکم کے درجے پر فائز نہیں ہوسکتی ہے۔ حکم کے قابل فہم Feature میں صاحب حکم کی طرح مخاطب حکم کا طلب حکم سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر مخاطب حکم پر حکم کی پیروی کی ذمہ داری نہیں ڈالی جاسکتی ہے۔ مخاطب حکم پر حکم کی اتباع کی ذمہ داری فقط اسی وقت عائد ہوتی ہے جب وہ طلب حکم سے اسی طرح Consious ہو جس طرح کہ صاحب حکم خود ہے۔